طلاق کے احکام

(۲)

عمر احمد عثمانی

اس مضمون کی پچھلی قسط میں ہم نے بیان کیا تھا کہ دیگر تمام اماموں کے برخلاف صرف امام شافعی رح اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں بیک وقت دیدینا غیر مشروع نہیں اور اگر دے دی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں - امام ابوبکر جصاص رازی، امام شافعی رح کے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:*

> ابوبکر (رازی) کہتا ہے کہ اب ہم اس سلسلہ میں شافعی کے قول پر بحث کرتے ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کے مفہوم سے جو ہم نے اوپر تلاوت کی ہے اس قول کا باطل ہونا ظاہر ہے - کیونکہ وہ آیت کریمہ اس حکم کو متضمن ہے کہ دو طلاقیں بھی دو مرتبہ کر کے دی جائیں - چنانچہ جو شخص دو طلاقیں ایک مرتبہ ہی دیدیتا ہے وہ بھی قرآنی آیت کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے - اسپر قرآن کریم کی ایک اور آیت بھی دلالت کرتی ہے - حق تعالی کا ارشاد ہے کہ (جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں آنھیں اپنے اوپر حرام نہ کر لو) اس آیت کے ظاہری معنے اسی بات کے متقاضی ہیں کہ تین طلاقیں دینا حرام ہوں - کیونکہ اس طرح آدمی اپنے اوپر ان طیبات کو حرام کر لیتا ہے جو خدا نے ہمارے لئے حلال کی ہیں - اور اس امر کی دلیل کہ بیویاں بھی اس عمومی حکم میں داخل ہیں، حق تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ جو عورتیں تمہارے لئے پسندیدہ ہوں تم ان سے نکاح کر سکتے ہو - لہذا اس عام حکم کے بموجب وہ طلاق ممنوع اور حرام ہونی چاہئے جو عورتوں کو حرام کر لینے

---

* عربی کے طویل حوالوں کے متن ضمیمہ میں درج ہیں -

کا سبب بنتی ہو اگر مسنون وقت میں مسنون طریقہ پر تین طلاقیں دینے کی اباحت کی کوئی اور دلیل نہ ہوتی۔اسی طرح اگر غیر مدخول بہا کو ایک طلاق دینے کی اباحت کی دلیل موجود نہ ہوتی تو اس آیت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ طلاقیں بھی مطلقاً ممنوع اور حرام ہوتیں ۔ ایک دوسری جہت سے بھی اگر قرآن کریم کے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے ۔ کہ حق تعالی نے ان عورتوں کیلئے جن پر عدت واجب ہوتی ہے ۔ ابتداءً صرف ایک صورت ہی میں طلاق کو مباح فرمایا ہے اور یہ صورت رجوع کے ذکر کے ساتھ ملا کر بتائی گئی ہے ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ۔ (''طلاق دو مرتبہ ہو سکتی ہے ۔ پھر یا تو عورت کو اچھے طریقہ پر روک لینا ہے'') اور (''مطلقہ عورتوں کو اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض تک انتظار کرنا چاہئے'') اور (''جب تم بیویوں کو طلاق دو اور ان کی عدت کی مدت پوری ہونے لگے تو یا تو ان کو معروف طریقہ پر روک لو یا معروف طریقہ پر روانہ کر دو یا ان کو معروف طریقہ پر جدا کر دو'') ان تمام آیات میں حق تعالی نے عدت والی عورتوں کیلئے ابتدائی طلاق کی اباحت کو ہر جگہ رجوع کے ذکر کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے ۔ اور طلاق کا حکم (ظاہر ہے کہ) ان آیات سے ماخوذ ہے ۔ اگر یہ آیتیں نہ ہوتیں تو یقیناً طلاق شریعت کے احکام ہی میں سے نہ ہوتی ۔ لہذا ہمارے لئے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ ہم اس اثبات کا مسنون طریقہ پران شرائط اور اوصاف کے خلاف بھی کر سکیں جو قرآن نے اس کے لئے عائد کر دی ہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد موجود ہے ''جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی بات داخل کرتا ہے جو اس میں سے نہیں ہے تو تو وہ رد کر دینے کے قابل ہے'' ۔ ان الفاظ کا کم سے کم اتنا تو تقاضا ہونا ہی چاہئے کہ طلاق کی ان تمام صورتوں کو حرام اور ممنوع قرار دیا جائے جو ان آیات کے تضمنات کے خلاف ہوں جو ہم نے اوپر تلاوت کی ہیں ۔ ان آیات میں یہ بات شامل ہے کہ ابتداءً جو طلاق دی جائے اس میں شوہر کو رجوع کا حق ہونا چاہئے ۔ کیونکہ ابتدائی طلاق کو متصلاً حق رجوع کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے ۔

امام ابو بکر جصاص کی ان تصریحات سے ہم نے دیکھ لیا ہے کہ حنفیہ کے مسلک میں بیک وقت تین طلاقیں دینا حرام ہے ۔ اور امام ابو بکر جصاص نے امام شافعی رح کے خلاف جو تنقید فرمائی ہے اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ امام سفیان ثوری رح کے مسلک کے مطابق بیوی کو ایک عدت میں (ہر طہر میں ایک ایک طلاق کر کے) تین طلاقیں دینا بھی اسی طرح حرام ہو جیسا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا حرام اور ممنوع ہوتا ہے ۔ اگر یہ بات کہ آدمی اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیکر حرام کرلے تو قرآنی حکم (لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم) کے مطابق حرام ہے تو یہ بات بھی کہ آدمی اپنی بیوی کو ایک عدت میں (ہر طہر میں ایک ایک طلاق کر کے) تین طلاقیں دیکر حرام کرلے ، اسی آیت کی بناء پر حرام ہونی چاہئے ۔ کیونکہ نتیجہ کے اعتبار

سے دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے - وہ شخص اپنی بیوی کو بیک وقت حرام کر لیتا ہے اور یہ شخص کچھ کچھ وقفوں کے ساتھ حرام کر لیتا ہے ۔ خدا کی حلال کی ہوئی ایک پاکیزہ چیز کو حرام کرنے کے دونوں مرتکب ہوتے ہیں - جو قرآن کریم کی نص قطعی سے حرام ہے - علاوہ ازیں دوسری دلیل کا حاصل بھی یہی ہے - کیونکہ قرآن کریم نے ابتدائی دو طلاقوں کو صرف اسی شرط کے ساتھ حلال کیا ہے کہ شوہر کو رجوع کرلینے کا حق حاصل ہو ۔ اور یہ شخص پہلی اور دوسری طلاق ارادتاً اس انداز سے دے رہا ہے کہ تیسری طلاق دیکر رجوع کے حق کو بالکل ختم کردیا جائے جو کتاب اللہ کے منشاء کے قطعاً خلاف ہے -

اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس شخص کا جرم جو اپنی بیوی کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہےجو بیک وقت تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے ۔ کیونکہ یہ دوسرا شخص محض خدا کے ایک حکم کی نا فرمانی کا مرتکب ہوتا ہے - مگر پہلا شخص قرآن کے الفاظ سے کھیلتا ہے - اور قرآن کے منشاء کے خلاف عمل کرتے ہوئے خود قرآن ہی کے الفاظ کی آڑ لیتا ہے -

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن کریم کا منشاء ان آیات سے یہ ہے کہ طلاق ایک عدت میں صرف ایک دی جائے - اگر شوہر رجوع کرنا چاہتا ہے تو عدت کے دوران میں رجوع کر لے اور اگر رجوع کرنا نہیں چاہتا تو اسے چھوڑدے تا آنکہ اسکی عدت گذر جائے اور وہ اس سے الگ ہوجائے - امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے قرآن کریم کا منشاء یہی سمجھا ہے اور اسی بناء پر انہوں نے اسی طریقۂ طلاق کو اختیار فرمایا ہے ۔ نہ صرف امام اعظم رح نے بلکہ ابراھیم نخعی رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے اصحاب بھی اسی طریقہ کو پسند کرتے تھے اور اسی پر عمل فرماتے تھے - کیونکہ قرآن کریم نے ان ابتدائی دو طلاقوں کو جن میں شوہر کو رجوع کرلے کا حق ہوتا ہے مرتان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ اس قسم کی یہ دونوں طلاقیں بھی مختلف اوقات میں دی جا سکتی

ھیں - یعنی ایک مرتبہ طلاق دی اور اس توقع پر کہ اب حالات سدھر جائینگے پھر اس سے رجوع کرلیا - اور میاں بیوی کیطرح رھنے لگے - لیکن طویل عرصہ کے بعد پھر تعلقات خراب ھوگئے - اور محسوس ھوا کہ ایک دوسرے کے حقوق و واجبات ادا نہیں ھو سکتے اور شوھر نے دوسری مرتبہ پھر طلاق دیدی اس کے بعد پھر کچھ ندامت ھوئی اور یہ احساس ھواکہ اب حالات رویہ اصلاح ھوجائینگے چنانچہ دوسری مرتبہ بھی رجوع کرلیا - اور پھر دونوں میاں بیوی راضی خوشی میاں بیوی کیطرح رھتے رھے - لیکن طویل عرصہ گذر جانے کے بعد پھر تعلقات نے پلٹا کھایا اور نباہ نہ ھو سکا تو شوھر نے تیسری مرتبہ پھر طلاق دیدی- اب تیسری مرتبہ کی اس طلاق کے بعد جدائی حتمی ھوگئی - نہ شوھر عدت کے دوران میں رجوع کر سکتا ھے اور نہ تجدید نکاح کے ذریعے اسے واپس لے سکتا ھے - قرآن کریم کا منشاء تو یہ تھا- لیکن کچھ لوگ ایسے پیدا ھوئے جو قرآن کے اس منشاء پر تو عمل کرنا نہیں چاھتے - حکم کی روح کو کچل کر حکم کے الفاظ کی آڑ لینا چاھتے ھیں اور کہتے ھیں کہ قرآن نے یہی فرمایا ھے نا کہ تین طلاقیں، تین مرتبہ کر کے مختلف اوقات میں دی جائیں؟ لہذا ھم یہ تین طلاقیں تین طہروں میں کر کے دے دیتے ھیں - تا کہ قرآن کے الفاظ کی گرفت سے بھی بچ جائیں اور بیوی کو اپنے اوپر یوں حرام بھی کرلیں - یہ وھی یہودی ذھنیت ھے جو وحی کے منشاء کے خلاف وحی کے الفاظ سے کھیلنے کی عادی رہ چکی ھے کہ انھیں سبت کے دن مچھلی کے شکار سے ممانعت کی گئی تو انھوں نے دریا کے آس پاس بڑے بڑے گڑھے کھود لئے کہ جوار کے وقت جب دریا کا پانی بڑھے تو ان گڑھوں میں آ کر بھر جائے اور پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی ان گڑھوں میں آجائیں - پھر بھاٹے کے ساتھ پانی تو چلاجائے اور مچھلیاں ان گڑھوں میں رہ جائیں- اور اتوار کے دن صبح کو جا کر ان کا شکار کرلیا جائے - اگر کوئی اسپر انھیں ملامت کرے تو اسے یہ کہہ کر خاموش کردیا جائے کہ شکار کی ممانعت تو سبت کے دن میں ھے - ھم نے تو اتوار کے دن میں شکار کیا ھے - اسلئے ھم نے وحی کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی - بعینہ یہ حال ان لوگوں کا ھے کہ وہ بھی یہودیوں کی طرح قرآن کی روح کو پامال کر کے قرآن کریم کے الفاظ سے کھیلنا چاھتے ھیں - مگر ان

لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے ان کو ذلیل بندر بنا دیا تھا * ان میں یقیناً ایسے لوگ بھی ہونگے جو سیدھی سادی طرح خدا کی نا فرمانی کر کے سبت کے دن بھی مچھلیوں کا شکار کھیل لیتے ہونگے مگر خدا نے ان کو یہ سخت سزا نہیں دی تھی -

اس کے بعد ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ طلاق کا یہ طریقہ کہ بیوی کو ہر طہر میں ایک ایک کر کے ایک ہی عدت میں تین طلاقیں دے دی جائیں دلائل کے اعتبار سے اسکی کیا اہمیت ہے - اس بات کو سمجھنے کے دو طریقے ہوسکتے ہیں - ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کے خلاف جو دلائل دئیے جا سکتے ہیں ہم ان پر غور کریں اور ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس حق میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں خود ان کی کیا اہمیت ہے - اگر وہ دلائل جو اس کے حق میں پیش کئے جاتے ہیں خود کمزور اور لچر ہیں تو اس سے بھی ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خود اس مسئلہ کی کیا اہمیت ہے - اس کے خلاف دلائل تو ہم بعد میں دینگے - پہلے ان دلائل و براہین کا جایزہ لے لیں جو اسی صورت کے حق میں دئے جاتے ہیں - امام ابو بکر جصاص جو اس موضوع پر ہمارے بہترین رہنما ثابت ہو سکتے ہیں اس کے حق میں یہ دلیل پیش فرماتے ہیں -

> لیکن جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ طلاق سنت صرف یہ ہے کہ بیوی کو محض ایک ہی طلاق دی جائے - اور یہ قول ہم نے امام مالک رحہ - لیث بن سعد حسن ابن صالح اور اوزاعی رحہ سے نقل کیا تھا تو جو بات متفرق طہروں میں تین طلاقیں دینے کی اباحت پر دلالت کرتی ہے وہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ (طلاق دو مرتبہ کر کے دی جا سکتی ہے - پھر یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردینا ہے) اس آیت سے دو طلاقیں دینے کی اباحت ثابت ہوتی ہے - اور چونکہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو طلاقیں ایک ہی طہر میں جمع نہیں کی جا سکتیں - لہذا واجب ہوگا کہ دو طلاقوں کی اس اباحت کو دو طہروں میں استعمال کیا جائے - ایک اس قسم کی روایت بھی موجود ہے کہ اس کے بعد (او تسریح باحسان) سے مراد تیسری طلاق ہے اور یہ آیت مرد کو یہ اختیار دینے کے سلسلے میں ہے کہ وہ رجوع سے پہلے پہلے تین طلاقیں دے سکتا ہے - (۲)

امام ابوبکر جصاص کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ جو حضرات اس بات کے

---

* القرآن : الاعراف : ۱۶۳ - ۱۶۶

قائل ھیں کہ طلاق سنت کی محض ایک ھی صورت ھے اور وہ یہ ھے کہ بیوی کو صرف ایک طلاق دی جائے - پھر اگر شوھر رجوع کرنا چاھے تو عدت کے دوران میں اس سے رجوع کرلے اور اگر رجوع نہ کرنا ھو تو بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دے تاکہ اسکی عدت پوری ھوجائے اور وہ اس سے الگ ھوجائے- رہ گئی دوسری صورت کہ بیوی کو ایک ایک طھر میں ایک ایک کر کے تین طلاقیں دے دی جائیں تو یہ طلاق سنت نہیں ھے بلکہ نہایت نا پسندیدہ اور مکروہ طریقہ ھے - امام رازی رح فرماتے ھیں کہ یہ بات نہیں ھے - بلکہ ایک ایک طھر میں ایک ایک طلاق دینا بھی طلاق سنت ھے - اب اسکی دلیل پر غور فرمائیے - امام موصوف فرماتے ھیں کہ الطلاق مرتان سے دو مرتبہ کی دو طلاق کا جواز ثابت ھے - یہ دونوں طلاقیں بالاتفاق ایک طھر میں نہیں دی جا سکتیں - لہذا لازماً یہی ماننا پڑیگا کہ یہ دو طلاقیں دو طھروں ھی میں دیجائیں (دو عدتوں میں کیوں نہ دی جائیں ؟) اس کے بعد آیت میں او تسریح باحسان (یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردینا ھے) کا حکم آیا ھے - جس کے متعلق ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ھے کہ اس سے مراد تیسری طلاق ھے - لہذا اس روایت کے مطابق یہ تیسری مرتبہ کی طلاق ھوگئی اور یہ لا محالہ تیسرے طھر میں ھوگی - لہذا اس آیت کریمہ سے ثابت ھوگیا کہ ایک ھی عدت میں (ایک ایک طھر میں ایک ایک طلاق کر کے) تین طلاقیں دی جاسکتی ھیں -

امام ابو بکر جصاص فقہ حنفی کے جلیل القدر امام ھیں - ان کے بیان پر میرا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ھوگی - لیکن واقعہ یہ ھے کہ میں امام موصوف کی اس دلیل کو قطعاً نہیں سمجھ سکا - اول تو یہ بات ھی میری فہم سے بہت اونچی ھے کہ چونکہ الطلاق مرتان والی دو مرتبہ کی طلاقیں بالاتفاق ایک طھر میں نہیں دی جاسکتیں اس لئے وہ اب لازماً دو طھروں میں دی جائیں گی - یہ دونوں مرتبہ کی طلاقیں دو عدتوں میں کیوں نہیں دی جا سکتیں . امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو اور تین طلاقوں کے جواز کا انکار تو نہیں فرمایا - اسی طرح امام مالک رح ، لیث ابن سعد - حسن ابن صالح اور امام اوزاعی رح نے بھی تین طلاقوں اور دو طلاقوں کے جواز سے انکار

نہیں فرمایا اور جب قرآن کریم میں دو اور تین طلاقوں کا ذکر موجود ہے تو اس سے انکار کرنے کی جرات کون کر سکتا ہے مگر امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک افضل و احسن طریقہ طلاق کا یہی ہے کہ ایک عدت میں ایک ہی طلاق دی جائے - اور اگر رجوع کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو بیوی کو چھوڑدیا جائے کہ اسکی عدت پوری ہوجائے - اسیطرح امام مالک و امام اوزاعی وغیرہ حضرات کے نزدیک طلاق سنت کا یہی ایک طریقہ ہے - سوال یہ پیدا ہو تا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک افضل و حسن یا سنت طریقہ پر دو طلاقیں اور تین طلاقیں دینے کی آخر کیا صورت ہوگی ؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ امام رازی جیسا بزرگ اس بات سے لا علم ہو اور وہ یہ فرمانے لگے کہ اگر دو طلاقیں ایک طہر میں دینا بالاتفاق ناجائز ہے تو اب اسکی صورت لازما یہی ہوسکتی ہے کہ یہ دو طلاقیں دو طہروں میں دی جائیں - آخر اس میں کیا استحالہ ہے کہ ان دو طلاقوں کو بجائے دو طہروں کے دو عدتوں میں واقع کیا جائے جو امام اعظم رح کے نزدیک افضل و احسن صورت ہے اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک طلاق سنت کی یہی صورت ہے - اور بقول امام نخعی رح تمام اصحاب رسول اللہ اسی کو پسندیدہ صورت سمجھتے تھے -

اس کے بعد او تسریح باحسان کے سلسلہ میں امام رازی رح نے جس تفسیری روایت کا حوالہ دیکر تینوں طلاقوں کا جواز ایک ہی عدت میں ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے وہ اور بھی حیرتناک ہے - حالانکہ خود امام رازی رح ہی صرف چھ صفحات قبل اپنی اسی کتاب میں اسی روایت کے متعلق یہ فیصلہ فرما رہے ہیں کہ

> رہ گیا حق تعالیٰ کا ارشاد (او تسریح با حسان) تو اسکی دو تفسیریں کی گئی ہیں ان میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد تیسری طلاق ہے - اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ و سلم سے اس سلسلے میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے جو روایت و نقل کے طریقے سے ثابت نہیں ہوسکی - علاوہ ازیں یہ ایسی بات ہے جسے بداہت بھی رد کردیتی ہے - (٣)

تو ایک ایسی روایت کی بنیاد پر جو روایتی اعتبار سے ثابت بھی نہیں ہے اور بداہت بھی جس کا انکار کرتی ہے او تسریح باحسان سے تیسری طلاق مراد

لینا اور اسی طرح تین طلاقوں کا جواز ثابت کرنا کہاں تک حق بجانب کہا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد اسی سلسلہ میں امام رازی رح کا ارشاد ہے کہ:

اسکی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ (اے نبی ! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں عدت کے وقت طلاق دیا کرو) اس آیت سے ایک عدت میں تین طلاقیں دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ اس طرح کہ ھمیں یہ بات معلوم ہے کہ اوقات عدت سے کیا مراد ہے۔ جب کہ شارع صلے اللہ علیہ و سلم نے وضاحت فرما دی ہے کہ بیوی کو پاکی کی حالت میں مقاربت سے پہلے ھی طلاق دیدی جائے یا وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو تو یہ وہ عدت ہے جس کے متعلق خدا نے حکم دیا ہے کہ اس عدت کے وقت عورتوں کو طلاق دی جائے۔ چونکہ اس سے مراد اوقات اطہار ھیں۔ لہذا یہ حکم تین طلاقوں کو شامل ہو جائیگا۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے نماز کے سلسلہ میں حکم صادر فرمایا ہے کہ (دلوک شمس کے وقت نماز کو قائم کرو) اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمام دنوں میں ہر دلوک شمس کے وقت نماز کی ادائیگی کا تکرار ہونا چاھئے بعینہ یہی صورت حق تعالیٰ کے ارشاد فطلقوھن لعدتھن میں بھی ہے۔ چونکہ عدت سے مراد اوقات اطہار ھیں۔ اس لئے ان تمام اوقات میں طلاق کا تکرار بھی ہونا چاھئے۔ (۲)

امام رازی کے اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ سورہ طلاق میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں عدت کے وقت طلاق دیا کرو۔ اس کی وضاحت آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کی ایک حدیث میں یوں آئی ہے کہ بیوی ایام سے پاک ہو چکی ہو اور شوہر اس کے پاس نہ گیا ہو۔ یا وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو ایسی حالت میں طلاق دینے کو طلاق عدت کہا جائیگا۔ اس کے بعد امام رازی رح نے اچانک عدت کے لفظ کی جگہ اطہار کا لفظ رکھکر یہ نتیجہ اخذ فرمالیا ہے کہ اطہار تین ہوتے ھیں۔ لہذا ایک ھی عدت کے تین اطہار میں طلاقیں دینا (ہر طہر میں ایک اور تین اطہار میں تین) اس آیت کی بناء پر جائز ہوگا۔ اس کے بعد امام رازی رح نے ایک مثال پیش فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے نماز کے سلسلہ میں یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ اقم الصلواۃ لدلوک الشمس (یعنی نماز کو ہر دلوک شمس یعنی زوال آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت قائم کرو) اس آیت میں لام بیان وقت کیلئے آیا ہے۔ اسی طرح طلقوھن لعدتھن میں بھی لام بیان وقت

ہی کی غرض سے آیا ہے - اقم الصلواۃ لدلوک الشمس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی ایک زوال آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت نماز قائم کرلو - بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی ایام میں بھی جب جب اس وقت کا تکرار ہو تو یہ حکم بھی اس کے ساتھہ مکرر ہوگا - لہذا ہر دن زوال آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت اس حکم پر عمل کرنا ضروری ہوگا - عدت سے مراد ہم نے طہر لیا ہے لہذا اسی طرح ہر طہر کے وقت طلاق دینے کی اس اجازت کا تکرار بھی ہونا چاہئے - ایک عدت میں تین طہر ہوتے ہیں - لہذا طلاقیں بھی ایک عدت میں تین ہونگی -

اس دلیل کی ساری بنیاد اس مفروضہ پر قائم ہے کہ عدت سے مراد طہر ہے - حالانکہ یہ ایسا دعویٰ ہے جو بالکل ہی بے بنیاد ہے - اور جسکی کوئی دلیل نہ دی گئی ہے اور نہ دی جاسکتی ہے - یہ دعویٰ نہ صرف بے بنیاد ہے بلکہ بدیہہ البطلان اور خلاف واقعہ بھی ہے عدت وہ پوری مدت ہے جس میں عورت کو انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے - یہ مدت تین حیض اور تین طہروں پر مشتمل ہے - عدت اس پورے مجموعہ کو کہتے ایک ایک طہر کو عدت نہیں کہا جاتا - اگر ایک ایک طہر عدت ہوتا ہے تو کیا مطلقہ عورت صرف ایک طہر گذارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے؟ کیونکہ اسکی عدت ایک طہر تو گذر چکی - یا کہیں اسلام نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ ہر مطلقہ عورت تین عدتیں گذارا کرے؟ اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو محض ایک ایک طہر کو عدت کہدینا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے؟ یہ دلیل درحقیقت ان حضرات کے خلاف جاتی ہے جو تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کے قائل ہیں - یہ دلیل کس طرح ان حضرات کے خلاف جاتی ہے اسے ہم آگے بیان کرینگے - اس سے پہلے تمہیدی طور پر ایک بات کو سمجھ لیجئے - اور یہ بات بھی خود امام رازی رح ہی کے الفاظ میں سمجھئے - امام صاحب فرماتے ہیں کہ -

اس آیت (الطلاق مرتان) میں طلاق کے مسنون عدد کا حکم بتایا گیا ہے اس میں اس کے مسنون وقت کا بیان نہیں کیا گیا ہے جس میں طلاق واقع کی جانی چاہئے -

اس بات کو حق تعالیٰ نے ایک دوسری آیت (فطلقوھن لعدتھن) میں بیان فرمایا ھے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے وضاحت فرمادی ھے کہ طلاق العدۃ سے کیا مراد ھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضہ نے اپنی بیوی کو زمانۂ حیض میں طلاق دے دی تھی تو حضور صہ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ : تمھیں خدا نے اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا ھے۔ عدت کے وقت طلاق دینے کا مطلب یہ ھے کہ تم اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دو کہ وہ ایام سے پاک ھوچکی ھو اور تم اس کے پاس نہ گئے ھو یا وہ حاملہ ھو اور اس کا حمل واضح ھوچکا ھو- یہ وہ عدت ھے جس کا خدا نے حکم دیا ھے کہ عورتوں کو اس وقت طلاق دی جائے۔ " لہذا طلاق سنت کو دو اور اوصاف سے متصف ھونا چاھئے - ایک تو طلاق کا عدد اور دوسرے طلاق کا وقت - (۵)

اس بیان سے ھماری سمجھ میں یہ بات آجاتی ھے کہ سنت کے مطابق طلاق دینے کے لئے دو باتوں کا لحاظ ضروری ھے ایک تو طلاق کا عدد کہ کتنی طلاقیں دی جاسکتی ھیں اور دوسرے طلاق کا وقت کہ کس وقت طلاق دی جاسکتی ھے۔ طلاق کے عدد کا بیان تو سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بیان فرمادیا گیا ھے کہ الطلاق مرتان - یعنی طلاق دو مرتبہ کرکے دی جاسکتی ھے اور ھر مرتبہ ایک ایک کرکے دی جاسکتی ھے - رہ گیا طلاق کے وقت کا بیان کہ ایک ایک کرکے طلاق کس وقت دی جائیگی تو اس کا بیان سورۂ طلاق کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ھے جہاں ارشاد ھوا ھے کہ :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴿١﴾

اے نبی! (صلعم) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں عدت کے شروع میں طلاق دو- اور عدت کا شمار کرتے رھا کرو۔ تا آخر آیت۔ (سورہ الطلاق : ۱)

طلقوھن لعدتھن کا مطلب یہ ھے کہ عورتوں کو عدت کے وقت یعنی عدت کے شروع میں طلاق دی جانی چاھئے - اس آیت میں لام وقت کو بیان کرنے کے لئے آیا ھے - اس کی مثال میں امام رازی رح نے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت بھی پیش فرمائی ھے کہ یہ ایسا ھی ھے جیسا کہ نماز کے سلسلہ میں دوسری جگہ فرمایا گیا ھے اقم الصلواۃ لدلوک الشمس (زوال آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت نماز کو قائم کرو) جس طرح اس آیت میں نماز کو قائم کرنے کا وقت زوال آفتاب یا غروب آفتاب کو بتایا گیا ھے - اسی طرح سورہٴ طلاق کی آیت میں طلاق دینے کا وقت بتایا گیا ھے کہ وہ عدت کے وقت یعنی عدت کے شروع میں ھونا چاھئے - اور جیسا کہ ھر نئے دن میں دلوک شمس کے تکرار کے ساتھ یہ حکم بھی کہ " نماز کو قائم کرو " مکرر ھوتا رھتا ھے - اسی طرح ھر عدت کے تکرار کے ساتھ یہ اجازت بھی مکرر ھوسکے گی، امام رازی رح کی اس تمثیل اور استدلال کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ھے کہ اگر کسی شخص نے ایک عدت کے وقت (یعنی عدت کے شروع میں) اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دیدی ھے - تو جب تک پھر کوئی ایسی ھی دوسری عدت مکرر نہ ھو، دوسری مرتبہ طلاق نہیں دی جاسکتی - ھمیں معلوم ھے کہ اگر آج ھم نے زوال آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت نماز قائم کرلی ھے - یعنی ظھر یا مغرب کی نماز ادا کرلی ھے تو اب یہ نمازیں دوبارہ ھم اسی وقت پڑھ سکتے ھیں جبکہ دوسرے دن پھر زوال آفتاب یا غروب آفتاب کا وقت دوبارہ آجائے - اس سے پہلے نہیں پڑھ سکتے اور نہ ھی ایک دن میں زوال آفتاب یا غروب آفتاب ھوجانے پر ھم دو دو، تین تین ظھر اور مغرب کی نمازیں پڑھ سکتے ھیں - بالکل اسی طرح طلاق ایک ایک کرکے دو مرتبہ دی جاسکتی ھے اور ھر طلاق عدت کے وقت یعنی عدت کے شروع میں دی جاسکتی ھے - ایک عدت میں اگر ھم نے ایک مرتبہ طلاق دیدی ھے تو اسی عدت میں ھم دوسری مرتبہ کوئی نئی طلاق نہیں دے سکتے - البتہ اس کے بعد اگر ھم یہ محسوس کریں کہ اس بیوی کے ساتھ ھمارا نباہ نہیں ھوسکتا اور ھم دوسری مرتبہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کریں - تو ھم ایک دوسری عدت میں یعنی عدت کے شروع میں اسے دوسری مرتبہ طلاق دے سکتے ھیں - یہاں ایک نکتہ اور بھی قابل

غور ہے کہ طلاق کے لئے قرآن حکیم کا حکم ہے کہ وہ عدت کے شروع میں دی جانی چاہئے۔ عدت کے درمیان میں یا عدت کے آخر میں نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رض کی روایت میں جو امام ابو داؤد نے مجاھد سے نقل کی ہے، ابن عباس رض نے اس آیت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ: و ان اللہ قال یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن (اور خدا نے فرمایا ھے کہ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے شروع میں طلاق دیا کرو) † نیز حضرت عبداللہ ابن عمر رض کی روایت میں بھی جسے تمام صحاح کے مصنفین نے نقل کیا ہے ' یہی الفاظ آئے ھیں - و قرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن (اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے شروع میں طلاق دیا کرو - ‡

بظاھر ایسا ھی نظر آتا ھے کہ اس آیت کریمہ کی ایک قرأت لعدتھن کے بجائے فی قبل عدتھن بھی ھے جس کا واضح تقاضا یہ ھوگا کہ طلاق صرف عدت کے شروع ھی میں دی جاسکے گی - نہ درمیان میں دی جاسکیگی اور نہ آخر میں - تین طہروں میں جو تین طلاقیں یکے بعد دیگرے دی جاتی ھیں - ان میں سے ایک طلاق عدت کے شروع میں دیجاتی ھے دوسری مرتبہ عدت کے درمیان (دوسرے طہر) میں دی جاتی ھے اور تیسری مرتبہ عدت کے آخر (تیسرے طہر) میں دی جاتی ھے - آیت قرآنی کی اس قرأت کا تقاضا یہ ھے کہ صرف شروع کی طلاق ھی جائز ہو باقی دونوں مرتبہ کی طلاقیں ممنوع، غیر مشروع اور حرام ھوں - لیکن اگر اسے آیت کریمہ کی جداگانہ قرأت تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی اس میں تو کوئی شبہ ھو ھی نہیں سکتا کہ یہ آیت کریمہ کی تفسیر ھے - لہذا آیت کریمہ کا مطلب پھر بھی یہی ھوگا کہ طلاق صرف عدت کے شروع میں دی جاسکتی ھے - نہ درمیان میں دی جاسکتی ھے نہ آخر میں - لہذا ان تین طلاقوں کو جو تین طہروں میں دی جائیں مسنون اور سنت نہیں کہا جاسکتا -

---

† بحوالہ محمد بن سلیمان الفاسی، ' جمع الفوائد ، مطبعہ خیریہ، میرٹھ - ۱۳۴۵ھ ، ج ۱، ص ۲۳۱ -

‡ ایضا ص ۲۳۲ -

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ طلقوھن لعدتہن کا تقاضا صرف یہ ہے کہ ایک عدت کے وقت صرف ایک طلاق دی جائے ، ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دی جائیں۔ وہ تقاضا نہیں ہے جو امام رازی رح نے اس سے نکالا ہے کہ ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق دیکر تین طلاقیں ایک ہی عدت میں پوری کردی جائیں - یہ طریقۂ طلاق جسے بدقسمتی سے طلاق مسنون کہا جاتا ہے قرآن کریم کے الفاظ کے خلاف ہے - یہاں تک ہم نے صرف لعدتہن کے لفظ سے بحث کی ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آیت کے دوسرے لفظ طلقوھن کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بیوی کو ایک عدت میں ایک مرتبہ ہی طلاق دی جائے - علامہ رازی رح نے اسی باب میں ایک اصول کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ بات اور بھی وضاحت کے ساتھ سمجھی جاسکتی ہے - امام موصوف حضرت عبداللہ ابن عمر رض کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

> کیونکہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (پھر اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دیدے) ان الفاظ کا تقاضا ایک سے زیادہ طلاقیں دینے کا نہیں ہوسکتا- اس قسم کے تمام اوامر کے سلسلہ میں ہمارا کہنا یہی ہے کہ ان احکام کا تقاضا یہی ہوسکتا ہے کہ ان کا وہ کم سے کم مفہوم مراد لیا جائے جسے وہ حکم شامل ہوسکتا ہو - اس سے زیادہ کو مراد لینے کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی - مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے کہدے کہ '' تم میری بیوی کو طلاق دیدو '' تو اس حکم کے مطابق وہ شخص جس طلاق کو واقع کرنے کا مجاز ہوسکتا ہے ' وہ صرف ایک ہی طلاق ہے - ایک سے زیادہ نہیں - ایسے ہی ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام سے کہدے کہ '' تم شادی کرلو '' تو یہ اجازت ایک بیوی تک ہی محدود ہوگی - اگر غلام نے اجازت کے بعد دو عورتوں سے شادی کرلی تو ان دونوں میں سے ایک عورت کا نکاح جائز نہیں ہوگا - بجز اس صورت کے کہ خود آقا ہی یہ کہدے کہ میرا مطلب یہی تھا کہ وہ دو عورتوں سے شادی کرلے- بالکل اسی طرح لیطلقھا ان شاء (وہ اگر چاہے تو اسے طلاق دیدے) کا تقاضا بھی صرف ایک طلاق ہی کا ہوسکے گا - اس سے زیادہ کے لئے مزید دلیل کاثبوت درکار ہوگا - (٦)

بالکل اسی اصول کے مطابق فطلقوھن لعدتہن میں طلقوھن (ان کو طلاق دیدو) کا تقاضا بھی (جو امر کا صیغہ ہے) ایک طلاق ہی کا ہوسکتا ہے - ایک سے زیادہ طلاقوں کا نہیں ہوسکتا - ایک عدت کے وقت (یعنی عدت کے شروع میں) لفظ طلقوھن کے مطابق ایک طلاق دیجا سکتی ہے - ایک سے

زیادہ نہیں۔ لہذا جو حضرات ہر طہر میں ایک ایک طلاق کر کے تین طلاقیں دینے کو جائز بلکہ طلاق سنت قرار دیتے ہیں وہ قرآنی منشاء کے قطعاً خلاف ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے ٹکڑے کے ان دونوں لفظوں یعنی طلقوھن اور لعدتھن میں ہر لفظ کا الگ الگ بھی تقاضا یہی ہے کہ ایک عدت میں عورت کو صرف ایک ہی طلاق دیجا سکتی ہے ۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ مروجہ مسلک قرآن کریم کے خلاف ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو عقل و بصیرت کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے ۔ نکاح قانونی اور شرعی اعتبار سے ایک عقد اور معاہدہ ہے ۔ اور طلاق اس عقد اور معاہدہ کے فسخ کا اعلان ہے ۔ طلاق ایک مرتبہ دی جائے دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر کے دی جائے۔ ہر صورت میں نکاح فسخ ہوجاتا ہے اور عدت گذر جانے کے بعد بیوی اپنے شوہر سے الگ ہوجاتی ہے ۔ ایک طلاق دی گئی ہو تب بھی دو طلاقیں دیگئی ہوں تب بھی اور تین طلاقیں دی گئی ہوں تب بھی ۔ اب سوال یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو دوسرے مہینے میں (طہر کے وقت) دوسری طلاق اور تیسرے مہینے میں تیسری طلاق کیوں دے ؟ اسی دوسری اور تیسری طلاق سے وہ کونسا نیا مقصد حاصل ہوجائیگا جو ایک طلاق سے حاصل نہیں ہوا تھا ؟ کیا پہلے مہینے کی طلاق میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ نکاح کو فسخ کر سکے ؟ یا اس میں کوئی کمزوری باقی رہگئی تھی کہ دوسرے مہینے کی دوسری طلاق سے اور تیسرے مہینے کی تیسری طلاق سے اس کمزوری کی تلافی کی جا رہی ہے؟ دوسرے مہینے کی دوسری طلاق تو بالکل ہی عبث ہے ۔ اس سے کوئی نیا نتیجہ مرتب ہی نہیں ہوتا ۔ جیسا کہ پہلی طلاق کے بعد عدت کے دوران میں شوہر کو رجوع کرلینے کا حق ہوتا ہے ۔ اسی طرح دوسری طلاق کے بعد بھی یہ حق اسے بعینہ اسی طرح حاصل رہتا ہے۔ اور جیسا کہ عدت گذر جانے کے بعد ایک طلاق کے بعد وہ باہمی رضا مندی سے تجدید نکاح کرسکتے تھے اسی طرح دوسری طلاق کے بعد بھی تجدید نکاح کرسکتے ہیں ۔ البتہ تیسرے مہینے کی تیسری طلاق سے اتنا اضافہ ہوتا ہے کہ اب بیوی اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے ۔ اب نہ وہ اس سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ تجدید نکاح کرسکتا ہے ۔ تو کیا بیوی کو اس طرح ہمیشہ کے لئے اپنے

اوپر حرام کرلینا کوئی شرعی ضرورت ہے ؟ یا کوئی بڑا ثواب کا کام اور سنت رسول ہے ؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی سی بات بھی نہیں ہے - لہذا یہ محض ایک فعل عبث اور نہایت نا عاقبت اندیشانہ اقدام ہے جسکی حوصلہ افزائی بہر حال نہیں ہونی چاہئیے۔ یہ سراسر زیادتی ہے کہ اس قسم کے عبث اور نا عاقبت اندیشانہ اقدام کو سنت یا مسنون کا خطاب عطا کردیا جائے -

امام رازی رح نے ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے مگر ان کے جوابات بہت ہی مایوس کن ہیں - ان سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان باتوں کا کوئی معقول جواب در حقیقت ہے ہی نہیں - امام رازی رح کا ارشاد ہے کہ -

اگر یہ کہا جائے کہ دوسری اور تیسری مرتبہ کی اس طلاق میں کوئی فائدہ نہیں ہے - کیونکہ اگر شوہر بیوی کو الگ ہی کرنا چاہتا ہے تو یہ مقصد ایک طلاق سے بھی حاصل ہوسکتا ہے - وہ اسے چھوڑے رکھے (طلاق سے رجوع نہ کرے) حتیٰ کہ اسکی عدت پوری ہو جائے تو وہ آپ ہی اس سے الگ ہو جائیگی حق‌تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (اللہ کی آیتوں‌کو کھیل اور مذاق‌نہ بناؤ) تو خدا کی آیات سے کھیل اور مذاق کرنے کی اجازت کیوں دی جائے ؟ رجوع کرنے اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں یہی وہ بنیادی فرق ہے کہ اگر آدمی طلاق سے رجوع کرلے تو اسے (آئندہ زمانے میں) دوسری اور تیسری طلاق واقع کرنیکی اجازت ہونی چاہئیے کیونکہ رجوع کرلینے کے بعد اگر وہ پھر کبھی دوسری مرتبہ اور پھر کبھی تیسری مرتبہ طلاق دیگا تو یہ طلاق وہ ضرورتاً ہی دیگا - اس صورت میں خدا کی آیات کو کھیل یا مذاق بنانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر آدمی نے طلاق سے رجوع نہ کیا ہو تو پھر دوسری اور تیسری مرتبہ کی طلاقیں ممنوع ہونی چاہئیں کیونکہ ان طلاقوں کی کوئی ضرورت تو داعی ہو نہیں رہی - اب یہ محض خدا کی آیات کو کھیل اور مذاق بنانے والی بات ہوگی- تو اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ دوسری اور تیسری مرتبہ کی طلاقیں جلد واقع کردینے میں کچھ فائدے ضرور ہیں ' جو آدمی کو اس وقت حاصل نہیں ہوسکتے جبکہ دوسری اور تیسری مرتبہ کی طلاقیں واقع نہ کرے - پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ تیسری طلاق کو واقع کردینے سے بیوی عدت گذرنے سے پہلے ہی اس سے الگ ہوجائیگی اور اگر شوہر اسکی عدت کے دوران میں مرگیا تو بیوی اسکی وارث نہیں ہوسکیگی - دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جن فقہاء کے قول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے ان کے قول پر وہ بیوی کی عدت کے دوران ہی میں ' بیوی کی بہن سے شادی کرسکیگا - نیز اس کے علاوہ مزید چار عورتوں سے بھی شادی کرسکیگا ۔ لہذا دوسری اور تیسری مرتبہ کی طلاقیں دینے سے اسے کچھ فوائد اور حقوق ضرور حاصل ہوجاتے ہیں - اس لئے اسے بالکل ہی بے سود ، عبث اور لغو نہیں کہا جا سکتا - اس وجہ سے مسنون وقت (اطہار) میں بھی باقی طلاقیں دینا جائز ہے ۔ جیسا کہ رجوع کی صورت میں (طویل عرصوں کے بعد) باقی طلاقیں دینا جائز ہوتا ہے ۔ (۷)

امام رازی رحؒ کے اس بیان سے ناظرین کو بڑی مایوسی ہوئی ہوگی ۔ کیونکہ امام موصوف نے تین طہروں میں (ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کر کے) تین طلاقیں دینے کے جواز پر جو تین مصلحتیں اور تین فائدے گنوائے ہیں ان کی کمزوری بالکل ہی الم نشرح ہے ۔ آخر کی دونوں مصلحتیں تو ہم لوگوں کے لئے جو خود کو فقہ حنفی کا متبع کہتے ہیں کوئی معنے ہی نہیں رکھتیں ۔ کیونکہ فقہ حنفی کی رو سے تین طلاقیں دیدینے کے بعد بھی شوہر نہ اپنی سالی سے (بیوی کی عدت میں) نکاح کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ چار بیویاں کر سکتا ہے ۔ لہذا یہ دونوں مصلحتیں ہمارے لئے کوئی معنے نہیں رکھتیں ۔ اور جن فقہائے کرام کے مسلک میں اسکی گنجائش نکل سکتی ہے ۔ ان کے نزدیک بھی فرق زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ یا اٹھائیس دن کا پڑتا ہے ۔ تیسری طلاق اس مسلک کے مطابق دوسرے حیض کے بعد تیسرے طہر میں دیجا سکتی ہے ۔ اگر یہ تین طلاقیں نہ دی جاتیں تو تیسرے حیض کے بعد تو بیوی ایک طلاق سے بھی عدت ختم ہو جانے پر الگ ہو جاتی ہے (تیسرے طہر کے بعد صرف ایک حیض کا زمانہ ہی تو عدت کا باقی رهجاتا ہے) لہذا یہ دونوں باتیں اٹھائیس دن یا زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ کے بعد اس کے لئے یوں بھی حلال ہوجاتیں ۔ ہماری عقل یہ سمجھنے سے قطعاً قاصر ہے کہ اگر یہ شخص محض اٹھائیس روز یا زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ تک اور صبر کرلیتا اور اپنی سالی سے شادی نہ کرتا یا چوتھی بیوی نہ کرتا تو کونسی قیامت آجاتی ' کونسی زمین پھٹ جاتی یا کونسا آسمان ٹوٹ پڑتا ۔ لہذا دوسرے فقہاء کے مسلک کے مطابق بھی ان دونوں مصلحتوں کا اتنا بڑا وزن تو یقیناً نہیں ہے کہ ان کی خاطر اس ناپسندیدہ صورت کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا جاسکے ۔ رہ گئی پہلی مصلحت تو وہ انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ ہونے کے علاوہ انتہائی غیر شریفانہ بھی ہے ۔ کیا بیوی کو محض اس مقصد سے تین طلاقیں دیدینا کہ وہ میری موت کے بعد میری وارث نہ بن سکے ' کوئی شریفانہ فعل ہے ؟ اس کے علاوہ یہ اقدام نتیجہ کے اعتبار سے پھر بھی محض لغواور عبث ہی رہتا ہے ۔ کیونکہ فقہ حنفی کی رو سے مرض الموت کے اس نوع کے تمام غلط اقدامات جن کا مقصد محض کسی مخصوص شخص کے جائز مفادات

کو ارادتاً نقصان پہنچانا ہو ، عدالت میں جا کر کالعدم ہوجاتے ہیں - لہذا اگر عدالت میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ مرنے والے نے یہ تین طلاقیں محض بیوی کو محروم الارث کرنے کی نیت سے دی تھیں تو پھر ان طلاقوں کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے ؟ ظاہر ہے کہ بیوی ان تین طلاقوں کے باوجود عدالت سے اپنا ترکہ پھر بھی حاصل کرسکتی ہے -

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ ان تینوں مصلحتوں کی کیا حیثیت ہے جو امام رازی رح جیسے بلند مرتبت امام نے تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کی حمایت میں پیش کی تھیں - ان سے یہ بات وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ یہ طریقۂ طلاق نہ صرف قرآن کریم کے منشاء کی ہی خلاف ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی عقل و بصیرت کے بھی خلاف ہے -

خلاصۂ مبحث

تصریحات بالا سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ طلاق کے سلسلہ میں خود قرآن کریم کا منشاء اور موقف کیا ہے - طلاق دینے کا جو طریقہ قرآن کریم نے بتلایا ہے، اس میں نہ کوئی پیچیدگی ہے، نہ الجھاؤ ہے - بالکل سیدھی بات ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق کئی کئی طلاقیں بیک وقت نہیں دی جاسکتیں - طلاقیں مختلف اوقات میں دی جانی چاہئیں اور مختلف اوقات میں بھی زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ طلاق دی جاسکتی ہے - ہر طلاق بیوی کے ایام سے پاک ہونے کے بعد جبکہ اس زمانۂ طہر میں شوہر اپنی بیوی کے پاس نہ گیا ہو ، دی جاسکتی ہے - اور ایک عدت میں ایک ہی طلاق دی جاسکتی ہے - شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق دیکر چھوڑ دیگا - حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوجائے - اور وہ اس کے نکاح سے قطعی طور پر الگ ہوجائے - اس ایک مرتبہ کی طلاق کے بعد شوہر اگر چاہے تو عدت کے دوران میں رجوع کرسکتا ہے اور عدت گزرجانے کے بعد طرفین کی رضامندی سے تجدید نکاح کے ساتھ دوبارہ اسی بیوی کو اپنے نکاح میں لے سکتا ہے - اگر شوہر نے رجوع نہیں کیا اور عدت گزر گئی اور عدت گزرجانے کے بعد بھی اس نے تجدید نکاح نہیں کی تو بات ختم ہو گئی - اب یہ عورت اپنی پسند کے مطابق جس

مرد کے ساتھ چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے - اسی طرح یہ مرد بھی جس دوسری عورت سے چاہے اپنا نکاح کرسکتا ہے - لیکن اگر شوہر نے پہلی طلاق کے بعد عدت کے دوران میں رجوع کرلیا تھا - یا عدت گزرجانے کے بعد اسی عورت سے تجدید نکاح کرلی تھی تو اب یہ دونوں میاں بیوی صلح و آشتی کے ساتھ رہیں اور زندگی کی گاڑی کو باہمی تعاون کے ساتھ ملکر کھینچنے کی کوشش کریں اور ایسی صورت پیدا نہ ہونے دیں کہ پھر منازعت کی نوبت پیش آجائے۔ اگر خدانخواستہ کچھ عرصہ کے بعد ان دونوں کے درمیان پھر نزاع کی صورت پیدا ہوجائے اور شوہر کو دوبارہ طلاق دینی پڑجائے تو شوہر اسے پھر ایک ایسے طہر میں جس میں اس نے اس کے ساتھ اختلاط نہ کیا ہو اسے دوسری مرتبہ طلاق دے سکتا ہے - شوہر اسے ایک طلاق دیکر چھوڑدیگا تا آنکہ اسکی عدت گزرجائے اور وہ اس سے قطعی طور پر الگ ہوجائے - البتہ عدت کے دوران میں اسے یہ حق اس مرتبہ بھی حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو طلاق سے رجوع کرلے - اگر عدت کے دوران میں اس نے طلاق سے رجوع نہیں کیا اور عدت گذرجانے کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور وہ اپنی بیوی کو واپس لینا چاہتا ہے تو قرآن کریم اسے اس کا ایک اور موقعہ دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ طرفین کی رضامندی سے ایک مرتبہ پھر تجدید نکاح کرسکتا ہے - اگر شوہر نے رجوع کے ذریعہ سے یا تجدید نکاح کے ذریعہ سے دوسری مرتبہ بھی اپنی بیوی کو واپس لے لیا ہے تو اب انہیں چاہئے کہ وہ باہمی ایتلاف اور محبت کے ساتھ گذارہ کریں اور اب پھر کسی ناچاقی اور اختلاف کی نوبت نہ آنے دیں - کیونکہ اگر اب کی مرتبہ پھر بے اعتمادی، اختلاف اور شکر رنجی نے سر ابھارا اور جدائی تک نوبت پہنچ گئی تو جدائی آخری ہوگی - بہر حال اگر خدا نخواستہ پھر ایسی نوبت آجائے اور شوہر تیسری مرتبہ پھر طلاق دیدے تو اس کے بعد نہ شوہر عدت کے دوران میں اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ ہی عدت گذرجانے کے بعد اس سے تجدید نکاح کرسکتا ہے۔ اب یہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرلے - کیونکہ تین مرتبہ کے مسلسل تجربوں سے اب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ان دونوں کا نباہ واقعہ" نہیں ہوسکتا - لہذا ان دونوں کی خاطر سے نکاح اور طلاق کو کھیل یا مذاق نہیں بنایا جاسکتا - البتہ اگر اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی کرلی اور اتفاق سے اس کے

دوسرے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ یا اس کا وہاں بھی نباہ نہیں ہوسکا اور دوسرے شوہر نے بھی اس کو طلاق دیدی۔ اس طرح دوسرے شوہر سے فارغ ہوجانے کے بعد اب یہ عورت پھر اپنے پہلے شوہر ہی کے پاس واپس جانا چاہتی ہے اور پہلا شوہر بھی اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تو اب پھر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو دوبارہ نکاح کرلیں۔ کیونکہ اس طویل اور تلخ تجربہ کے بعد بہت ممکن ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کو عقل آگئی ہو اور اب کی مرتبہ نکاح کرلینے کے بعد وہ واقعی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرسکیں۔ اور خدا کی آیتوں (احکام نکاح و طلاق) کا مذاق اور کھیل نہ بنائیں۔

امام اعظم ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طریقہ کو جو قرآن کریم کے منشاء و موقف کے عین مطابق ہے طلاق کا بہترین طریقہ اور مسنون طریقہ قرار دیا ہے۔ امام مالک۔ عبدالعزیز بن سلمہ ماجشون، لیث ابن سعد، حسن ابن صالح اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعین طور پر اسی ایک طریقہ کو طلاق کا مسنون طریقہ قرار دیا ہے۔ اور صراحت کے ساتھ اس طریقہ کو کہ بیوی کو تین طہروں میں (ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کرکے) تین طلاقیں دیدی جائیں، خلاف سنت، مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھا ہے۔ فقہ حنفی میں اس ثانی الذکر طریقہ کو بھی مسنون بتایا گیا ہے مگر اول الذکر طریقہ کے مقابلہ میں فروتر درجہ کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یہ ثانی الذکر طریقہ کس طرح قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہونے کے علاوہ خلاف عقل و بصیرت، بے مقصد، بے ضرورت اور بے فائدہ بھی ہے۔ اور کس طرح قرآن کریم کی صریحی ممانعت لا تتخذوا آیات اللہ هزوا (خدا کی آیتوں کو کھیل اور مذاق نہ بناؤ) اور لاتحرموا ما احل اللہ لکم (جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرلو) کی زد میں بھی آجاتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی رح کا وہ مسلک کہ بیک وقت تین طلاقیں دی جاسکتی ہیں اور اگر دیدی جائیں تو وہ نافذ ہو جائیگی۔ کس طرح قرآن کریم کی ہدایات کے صریحی خلاف ہے۔ اور قرآن کی دونوں مذکورہ ممانعتوں کی زد میں آتا ہے۔ قرآن کریم کی ان تمام تصریحات اور ان صریحی ممانعتوں کا کم سے کم تقاضہ

بھی ہے کہ اگر اس انداز سے طلاقیں دیدی جائیں جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف ہوں تو وہ قطعاً ممنوع اور حرام سمجھی جائیں اور انھیں قطعاً نافذ تسلیم نہ کیا جائے - کیونکہ ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہر کام خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کرے - اور اگر خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کام نہیں کرتا تو وہ کام نہ جائز سمجھا جاسکتا ہے اور نہ نافذ مانا جاسکتا ہے - قرآن کریم نے نکاح کا ایک طریقہ مقرر کردیا ہے اور اس کے لئے کچھ حدود و قیود عائد کی ہیں - اگر ان حدود و قیود کو نظر انداز کرکے خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف کوئی شخص نکاح کرلیتا ہے تو نہ اسے جائز کہا جاسکتا ہے اور نہ نافذ مانا جاسکتا ہے - اسی طرح حق تعالیٰ نے نماز، زکواۃ، روزہ، حج وغیرہ کے لئے کچھ طریقے رکھے ہیں - کچھ قواعد و ضوابط اور حدود و قیود مقرر کئے ہیں- اگر کوئی شخص ان طریقوں کے خلاف ان قواعد و ضوابط کے برعکس، ان حدود و قیود کے علی الرغم نماز بھی پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکواۃ دیتا ہے اور حج کرتا ہے تو نہ اس کی نماز، نماز ہے، نہ روزہ، روزہ ہے، نہ زکواۃ، زکواۃ ہے اور نہ حج، حج ہے - یہ تمام اعمال قابل رد ہیں اور ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتے - بالکل اسی طرح طلاق کے لئے بھی خدا نے ایک طریقہ مقرر کیا ہے- اس کے لئے کچھ حدود و قیود عائد کی ہیں، کچھ قواعد و ضوابط رکھے ہیں- اگر کوئی شخص ان کے برعکس طلاق کے حق کو استعمال کرتا ہے تو اسے کیسے قبول کیا جاسکتا ہے ؟

بہر حال قرآن کریم کی رو سے طلاق کے مسئلہ کی جو صورت ہے وہ صفحات بالا میں تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہے اور قرآن کے منشاء وموقف کو سمجھنے میں جو تسامحات ہوئے ہیں وہ واشگاف طریقہ پر ہمارے سامنے آگئے ہیں - لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں، فقہ اسلامی میں کتاب اللہ کے بعد دوسری بنیادی اہمیت سنت رسول اللہ کو حاصل ہے اور کوئی بحث اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاسکتی جب تک شریعت کے ان دونوں سر چشموں سے کما حقہ استفادہ نہ کرلیا جائے اس لئے ہم اس مضمون کی اگلی قسط میں ان احادیث نبوی پر غور و فکر کریں گے جو اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں -

---

ضمیمہ

حوالوں کے عربی متن

۱- *قال ابو بکر فنبدأ

بالکلام علی الشافعی فی ذلک فنقول ان دلالة الآیة التی تلونها ظاهرة فی بطلان هذه المقالة لانها تضمنت الامر بایقاع الاثنتین فی مرتین فمن اوقع الاثنتین فی مرة فهو مخالف لحکمها ومما یدل علی ذلک قوله تعالی (لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم) وظاهره یقتضی تحریم الثلاث لما فیها من تحریم ما احل لنا من الطیبات والدلیل علی ان الزوجات قد تناولهن هذا العموم قوله تعالی (فانکحوا ما طاب لکم من النساء) فوجب بحق العموم حظر الطلاق الموجب لتحریمها ولولا قیام الدلالة فی اباحة ایقاع الثلاث فی وقت السنة وایقاع الواحدة لغیر المدخول بها لاقتضت الآیة حظره ومن جهة اخری من دلائل الکتاب ان الله تعالی لم یبح الطلاق ابتداء لمن تجب علیها العدة الا مقرونا بذکر الرجعة منها قوله تعالی (الطلاق مرتان فامساك بمعروف) وقوله تعالی (والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء) وقوله تعالی (واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسکوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف) فلم یبح الطلاق المبتدأ لذوات العدد الا مقرونا بذکر الرجعة وحکم الطلاق مأخوذ من هذه الآیات لولاها لم یکن الطلاق من احکام الشرع فلم یجز لنا اثباته مسنونا الا علی هذه الشریطة وبهذا الوصف وقال النبی ﷺ من ادخل فی امرنا ما لیس منه فهو رد واقل احوال هذا اللفظ حظر خلاف ما تضمنته الآیات التی تلونا من ایقاع الطلاق المبتدأ مقرونا بما یوجب الرجعة*

(احکام القران ـ امام ابوبکر جصاص رازی ، ج ۱ ص ۴۴۹)

۲- واما من قال سنة الطلاق ان لا یطلق

الا واحدة وهو ما حکیناه عن مالك ابن انس واللیث والحسن بن حی والاوزاعی فان الذی یدل علی اباحة الثلاث فی الاطهار المتفرقة قوله تعالی (الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان) وفی ذلك اباحة لایقاع الاثنتین ولما اتفقنا علی انه لا یجمعهما فی طهر واحد وجب استعمال حکمهما فی الطهرین وقد روی فی قوله تعالی (أو تسریح باحسان) انه للثالثة وفی تخییر له فی ایقاع الثلاث قبل الرجعة

(ایضاً ـ ص ۴۵۴ - ۴۵۵)

٣- واماقوله (او تسريح باحسان) فقد قيل فيه وجهان احدهما ان المراد به الثالثة وروى عن النبي ﷺ حديث غير ثابت من طريق النقل ويرده الظاهر ايضا

(ايضاً ، ص ٣٦١)

٤- ويدل عليه قوله تعالى

(ياايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن) قد انتظم ايقاع الثلاث للعدة وذلك لانه معلوم ان المراد لاوقات العدة كما بينه الشارع صلى الله عليه وسلم في قوله يطلقها طاهرا من غير جماع أو حاملا قد استبان حملها فتلك العدة التي امر الله ان تطلق لها النساء واذا كان المراد به اوقات الاطهار تناول الثلاث كقوله تعالى (اقم الصلوة لدلوك الشمس) قد عقل منه تكرار فعل الصلاة لدلوكها في سائر الايام كذلك قوله (فطلقوهن لعدتهن) لما كان عبارة عن أوقات الاطهار اقتضى تكرار الطلاق في سائر الاوقات

(ايضاً ، ص ٣٥٥)

٥- ففي هذه

الآية دلالة على حكم العدد المسنون من الطلاق وليس فيها ذكر الوقت المسنون فيه ايقاع الطلاق وقد بين الله ذلك في قوله تعالى (فطلقوهن لعدتهن) وبين لهم النبي ﷺ طلاق العدة فقال لابن عمر حين طلق امرأته وهي حائض ما هكذا امرك الله انما طلاق العدة ان تطلقها طاهرا من غير جماع او حاملا وقد استبان حملها فتلك العدة التي امر الله ان يطلق لها النساء فكان طلاق السنة معقودا بوصفين احدهما العدد والآخر الوقت

(ايضاً ، ص ٣٤٨ ، ٣٤٩)

٦- لان قوله ثم ليطلقها ان شاء لم يقتض اللفظ اكثر من واحد وكذلك نقول في نظائر ذلك من الاوامر انه انما يقتضي ادنى ما يتناوله الاسم وانما يصرف الى الاكثر بدلالة كقول الرجل لآخر طلق امرأتي ان الذي يجوز له ايقاعه بالامر انما هو تطليقة واحدة لا اكثر منها وكذلك قال اصحابنا فيمن قال لعبده تزوج انه يقع على امرأة واحدة فان تزوج اثنتين لم يجز نكاح واحدة منهما الا ان يقول المولى اردت اثنتين وكذلك قوله فليطلقها ان شاء لم يقتض الا تطليقة واحدة وما زاد عليها فانما يثبت بدلالة

(ايضاً ، ص ٣٥٢)

٧- فان قيل لا فائدة فى الثانية والثالثة لانه ان اراد ان يبينها امكنه ذلك بالواحدة بان يدعها حتى تنقضى عدتها وقال تعالى (ولا تتخذوا آيات الله هزوا) وهذا هو الفرق بينه اذا راجعها او لم يراجعها فى اباحة الثانية والثالثة اذا راجع وحظرهما اذا لم يراجع . قيل له فى ايقاع الثانية والثالثة فوائد بتعجلها لو لم يوقع الثانية والثالثة لم تحصل له وهو ان تبين منه بايقاع الثالثة قبل انقضاء عدتها فيسقط ميراثها منه لو مات ويتزوج اختها واربعا سواها على قول من يجيز ذلك فى العدة فلم يخل فى ايقاع الثانية والثالثة من فوائد وحقوق تحصل له فلم تكن لغوا مطرحا وجاز من اجلها ايقاع ما بقى من طلاقها فى أوقات السنة كما يجوز ذلك لو راجعها

(ايضاً ، ص ٢٥٥)

سَنُرِيهِمْ ءَايَـٰتِنَا فِى ٱلْـَٔافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ